استغفار کی حقیقت

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶ رمئی ۱۹۸۸ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے درج ذیل آیات تلاوت کیں:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۶﴾ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ (الذاریات: ۱۶-۱۹)

پھر فرمایا:

گزشتہ خطبے میں نے ذکر کیا تھا کہ ہر چیز کے ایک موسم ہوا کرتے ہیں اور رمضان کے آنے سے ہمارے لیے استغفار کے موسم آگئے۔ موسموں میں بھی ایک سی حالت نہیں ہوا کرتی بلکہ آپ نے دیکھا ہوگا بعض دفعہ خزاں سے بھی ایک نئی خزاں پھوٹتی ہے اور وہ موسم یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ہر طرف ایک موت کا سا سماں پیدا ہو گیا ہے۔ اُس طرح بہاروں سے بھی نئی بہاریں پھوٹتی ہیں اور بعض دفعہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بہار قابو میں نہیں رہی۔ پھول پھل سب بے قابو ہو جاتے ہیں۔ نہ زمیندار سے سنبھالے جاتے ہیں نہ دیکھنے والے اُن سے استفادہ کی پوری طاقت رکھتے ہیں اور ایسے ہی موسموں میں آپ نے انگلستان میں بھی دیکھا ہوگا کہ بہت سے زمیندار ایسے وقت میں پھر عام دعوت دے دیتے ہیں کہ جس کا بس چلتا ہے آئے اور آکے ہماری فصلوں سے جس حد تک استفادہ کر سکتا ہے کرے۔ کچھ معمولی پھل وہ قیمت کے طور پر اپنے لیے بھی رکھتے ہیں لیکن ایسے دنوں میں سارے یورپ میں رواج ہے قافلوں کے قافلے ایسے موقعوں پر پھلوں کے باغوں میں یا سبزی کے باغوں میں

جا کر جس حد تک ان کو توفیق ملتی ہے استفادہ کرتے ہیں۔

رمضان کے یہ دن جن میں اب ہم داخل ہو رہے ہیں ان کا ایسا ہی اسی مضمون سے تعلق ہے اور رمضان کے استغفار کے موسم میں سے گویا ایک نیا استغفار کا موسم پھوٹنے والا ہے یعنی وہ آخری دہا کا رمضان کا جو خاص بخشش کی طلب اور دعاؤں کا زمانہ ہے اس میں ہم داخل ہونے والے ہیں۔

یہ آیت جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس میں بھی بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ کا مضمون بیان ہوا ہے کہ خدا کے مومن پاکیزہ بندے یا پاکیزگی طلب کرنے والے بندے صبحوں میں اپنے لیے استغفار کرتے ہیں۔لیکن اس آیت میں وہ پہلا حصہ مضمون کا بیان ہوا ہے اُس کا خصوصیت سے رمضان کے اس آخری عشرہ سے تعلق ہے۔فرمایا اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ متقی وہ لوگ ہیں جو تسکین بخش سایہ دار باغوں میں ہوں گے جہاں چشمیں پھوٹ رہے ہوں گے اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی اُن کو عطا فرمائے گا وہ اُسے قبول کر رہے ہوں گے اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ۔اس سے پہلے یہ لوگ محسن تھے۔محسن تو ہمیشہ خدا ہی رہتا ہے لیکن اس موقع پر بندوں کا ذکر محسن کے طور پر کرنا بھی خدا کے احسان کی ایک انتہاء ہے اور تلطف کی انتہاء ہے۔یہاں محسن کا لفظ اُن معنوں میں تو استعمال نہیں ہوسکتا نہ کیا گیا ہے جن معنوں میں ہم عام طور پر لفظ احسان استعمال کرتے ہیں کہ کسی طرح احسان کرنا مگر ایک طرف یہ فرمایا کہ ہم اب اُن کو دے رہے ہیں اور وہ لینے والے ہیں۔اس سے پہلے ایک وقت تھا کہ وہ محسن تھے اس طرز بیان میں نہایت ہی درجہ تلطف پایا جاتا ہے اور اگلی آیت اس مضمون کو کھول دیتی ہے كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ۔بہت تھوڑا وہ راتوں کو آرام کیا کرتے تھے اور احسان کی یہ تعریف فرمائی گئی کہ وہ جو خدا کی عبادت میں اتنا بڑھتا ہے کہ اپنے آرام کو بھول جاتا ہے اپنے آرام کو خدا کی خاطر ترک کر دیتا ہے اور راتوں کو بہت تھوڑا آرام کرتا ہے اور اُٹھتا ہے۔اللہ تعالیٰ اُسے محسن شمار فرماتا ہے۔محسنین میں شمار فرماتا ہے۔خدا پر تو جیسا کہ میں نے بیان کیا اور سب جانتے

ہیں کسی احسان کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن اس لطیف رنگ میں خدا کی عبادت کرنے والوں کا ذکر بھی احسان کا ایک معراج ہے اور بہت ہی لطیف اس میں احسان کے مزید اشارے کھلتے ہیں۔ تو وہ موسم جس میں عام انسان بھی جس کو عام طور پر راتوں میں خدا کی عبادت کے لیے اُٹھنے کی توفیق نہیں ملتی وہ بھی اب ایسے موسم میں داخل ہو رہے ہیں جہاں چند دن ایسے ہیں جن دنوں میں یا یوں کہنا چاہئے کہ چند راتیں ایسی ہیں کہ جن راتوں میں وہ اس آیت کے مصداق بن سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ جو عام دنوں میں بھی بہت عبادت فرمایا کرتے تھے۔ رمضان میں اُس عبادت میں مزید اضافہ فرمادیا کرتے تھے اور جب آخری عشرہ میں داخل ہوتے تھے تو گویا عبادت کے لیے اس طرح وقف ہو جاتے تھے کہ دیکھنے والے کو احساس ہوتا تھا کہ پہلی عبادت میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ بظاہر تو یہ سوچنے کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ عام عبادت پر رمضان میں کیسے اضافہ فرماتے ہوں گے اور پھر رمضان کی عبادت میں مزید اضافہ لیکن دیکھنے والے پر یہی تأثر ہوتا تھا کہ آپ نے اور بھی زیادہ عبادت کو بڑھا دیا ہے۔

پس یہ وہ دن آرہے ہیں اور وہ راتیں آرہی ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ استغفار کے موسم پوری شان کے ساتھ، پوری بہار کے ساتھ ہم پر ظاہر ہو رہے ہیں اور ان دنوں سے اور ان راتوں سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ قَلِيلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ کا مضمون چند دن میں انسان پر صادق آجائے تو اللہ تعالیٰ کا فضل آئندہ اُس کے ساتھ وہی معاملہ کر سکتا ہے جو ان لوگوں کے ساتھ کرتا ہے جن پر ہمیشہ یہ مضمون صادق آتا ہے۔ اس کے آخر پہ پھر فرمایا بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ایک تو اس آیت میں یہ بھی ایک عجیب حسن ہے کہ وہ جن کی راتیں جاگ کے کٹتی ہیں اُن کی صبحیں بھی اُن کے جسمانی آرام کے لیے نہیں آتیں گویا کہ راتیں تو جاگ کے کاٹیں اور صبح ہوئی تو پھر استغفار شروع کر دیا۔ ان کی صبحوں کا تصور اُس شاعر کی صبحوں کی تصور سے کتنا مختلف ہے۔ جو کہتا ہے کہ:

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

تو یہ خدا کے بندے عجیب ہیں۔جن کا صبح کو بھی آرام کا تصور استغفار ہی ہے اور گویا استغفار میں ان کو آرام جان ملتا ہے اور امر واقعہ یہی ہے کہ ایک مومن کو استغفار میں اُسی طرح آرام و جان ملتا ہے جس طرح ایک تھکے ہوئے بدن کو نیند میں آرام ملتا ہے۔اس مضمون کو مزید بیان کرنے کے لیے میں اُسی آیت کی طرف دوبارہ متوجہ ہوتا ہوں جس کی تفسیر میں میں چند مضمون آپ کے سامنے پیش کر رہا تھا۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ طبیعت کا صدق اور فطرت کی سچائی ہے جو درحقیقت نئی صبح پیدا کرنے کا موجب بنتی ہے اور اُسی کے نتیجے میں باقی صفات پر گہرا اثر پڑتا ہے یعنی صبر کے ساتھ بھی صدق کا تعلق ہے، قنوت کے ساتھ بھی صدق کا تعلق ہے، انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ بھی صدق کا تعلق ہے اور ان سب کے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کے نتیجے میں مومن کے لیے ہمیشہ استغفار کی نئی صبحیں پھوٹتی رہتی ہیں۔

صدق کے مضمون سے متعلق بہت تفصیلی گفتگو ہوسکتی ہے لیکن وقت کی رعایت سے میں ایک دو مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ یہاں قرآن کریم صدق کن معنوں میں استعمال کر رہا ہے۔اُس مضمون پر آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں خود آپ پر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے صدق کے اطلاق کے نئے نئے مواقع روشن ہوتے چلے جائیں گے اور آپ آسانی کے ساتھ ایک ایسے سفر میں داخل ہو جائیں گے جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے شعور کی نئی صبحیں آپ کو عطا ہوتی چلی جائیں گی۔ ایک انسان کا صدق اُس کو دوسرے کو دیکھنے اور سمجھنے کی بھی توفیق بخشتا ہے اور اُس آئینے میں پھر اپنی ذات کا مشاہدہ کرنے کی بھی توفیق بخشتا ہے۔جہاں تک صدق کے نتیجے میں دوسرے کی ذات کے مشاہدے کا تعلق ہے یہ فی ذاتہٖ کافی نہیں اور اس کے نتیجے میں استغفار پیدا نہیں ہوتا لیکن جب دوسرے کے آئینے میں انسان خود اپنے وجود کو دیکھنے لگتا ہے تب اُس کے نتیجے میں استغفار کا مضمون پیدا ہوتا ہے۔مثلاً آپ ایک مقرر کو دیکھیں جو آپ کو نصیحت کرتا ہے آپ اُس کے احوال سے خوب باخبر ہیں۔آپ جانتے ہیں کہ وہ دوسروں کو نصیحت کر رہا ہے لیکن جتنی نصیحت دوسروں کو کر رہا ہے خود اُس پر وہ مضمون صادق نہیں آتا۔اگر آپ کا یہ مشاہدہ سچائی پر مبنی ہے تو کوئی گناہ نہیں۔اگر یہ دشمنی اور حسد پر مبنی ہے تو پھر صدق کا مضمون آپ پر کسی طرح بھی صادق نہیں آسکتا۔

پس میں صرف صدق کی بات کر رہا ہوں ہوسکتا ہے۔ایک مشاہدہ کرنے والا پوری سچائی کے ساتھ ایک نصیحت کرنے والے کو اس حال میں دیکھتا ہو کہ وہ نصیحت تو کرتا ہے لیکن خود اُس پر اُس نصیحت کا اثر اس رنگ میں دکھائی نہیں دیتا جیسا وہ دوسرے سے توقع رکھتا ہے۔وہ نصیحت کرنے والا بھی دوسروں کے حالات پر نظر رکھ کر اُن کو نصیحت کر رہا ہے اور جہاں تک اُس کے مشاہدے کا تعلق ہے وہ بھی سچا ہے۔اس لیے ان دونوں کا جہاں تک آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنے کا تعلق ہے اس کے نتیجے میں استغفار پیدا نہیں ہوسکتا۔لیکن وہ نصیحت کرنے والا جب اپنے دل میں ڈوب کر وہ مشاہدہ اپنی ذات میں شروع کرتا ہے جو غیر نے اُس کی ذات میں مشاہدہ کیا تو پھر یہاں سے استغفار کا مضمون شروع ہو جاتا ہے۔وہ نصیحت کرنے والا دیکھتا ہے کہ خود مجھ میں کیا کمزوریاں ہیں اور کتنی خامیاں ہیں اور کتنے خلاء ہیں۔اس سفر میں اُس کو کئی صبحیں عطا ہوتی ہیں اور بالآخر وہ ایک ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ مجھ پر اُس سوئی کی مثال صادق آتی ہے جو دوسروں کے لیے تو کپڑا بن کر اُن کے تن ڈھانپنے کا کام کرتی ہے، انتظام کرتی ہے۔اُس کے لیے محنت کرتی ہے لیکن میں خود ننگا ہوں۔ یہی وہ مضمون ہے جس کو قرآن کریم نے شروع میں ہی حضرت آدم کے واقعہ کے اوپر چسپاں کر کے بیان فرمایا۔فرمایا آدم اُن عارف باللہ لوگوں میں سے تھا جو اپنی ذات میں اپنی کمزوریوں کا مشاہدہ کرتا تھا اور اُس نے خود اپنی کمزوریوں پر جب اطلاع پائی تو اپنے رب کے حضور اپنے آپ کو ننگا پایا تب اوراق الجنۃ سے اُس نے اپنی کمزوریوں کو ڈھانپنے کی کوشش کی یہ اوراق الجنۃ ہیں جو استغفار ہے۔چنانچہ خدا تعالیٰ نے پھر اُس کی مدد فرمائی اور اس کو وہ کلمات عطا فرمائے۔جن کے نتیجے میں واقعۃً اس کی رسائی ان پتوں تک ہوئی جو اس کا بدن ڈھانپنے کی توفیق رکھتے تھے، طاقت رکھتے تھے۔

پس اس مضمون کا جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یعنی اس قسم کے صدق کا استغفار سے بہت ہی گہرا تعلق ہے اور اسی کے نتیجے میں سچا استغفار عطا ہوتا ہے اور یہی قرآن کریم کی تعلیم ہے جس سے قرآن کریم کی تعلیم کا آغاز ہوا ہے پھر وہ شخص جو دوسرے نصیحت کرنے والے کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ جب وہ اپنے حال پہ نظر کرتا ہے تو اچانک اس کے اوپر بھی یہ نئی صبحیں طلوع ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔وہ محسوس کرتا ہے اپنے بڑھتے ہوئے شعور کے ساتھ کہ میں اپنے گھر میں اپنی بیوی کو نصیحت کرتا ہوں۔اس سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اس قسم کا معاملہ کرے، اس طرح میرے حقوق ادا کرے، اس

طرح میرا خیال رکھے، اس طرح اپنی پاکیزگی کا خیال رکھے، اپنے جسم کو ڈھانپے، اپنی نظر کو سنبھالے، اپنی زبان کو ادب سکھائے۔ یہ ساری توقعات میں اپنی بیوی سے رکھتا ہوں لیکن بیوی کے مقابلے میں اس کے حقوق کے معاملے میں میں ان چیزوں سے خود عاری ہوں تو وہی ننگے پن کا احساس اس کے دل میں بھی پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ میں اپنے بچوں کو نصیحت کرتا ہوں اور چونکہ یہ نصیحت صدق پر مبنی ہوتی ہے اس لیے اس صدق کے نتیجے میں پھر وہ صبحیں پیدا ہوتی ہیں جو نفس کے ساتھ شناسائی عطا کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ غور کرتا ہے کہ میں نے جب اپنے بچوں کو نصیحت کی تو میں اس نصیحت میں جھوٹا نہیں تھا۔ واقعۃً میرا دل چاہتا تھا کہ ان بچوں کی اصلاح ہو اور یہ اعلیٰ مراتب اور اعلیٰ مقامات تک پہنچیں۔ لیکن اس کے باوجود میں خود ان مراتب سے عاری ہوں نا صرف عاری ہوں بلکہ اُن کی طرف سفر کرنے کے لیے چند قدم بھی میں نے نہیں اُٹھائے۔ اس احساس کی بیداری سے پھر وہی ننگا پن کا احساس زیادہ کھلتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ رات نے جو بدن ڈھانپ رکھا تھا صبح نے ان کمزوریوں سے پردے اتار دیئے اور صبح کے نتیجے میں یعنی ان اسحار کے نتیجے میں جن کا قرآن کریم یہاں ذکر فرما رہا ہے۔ اُن کو اپنی کمزوریاں خوب کُھل کر نظر آنا شروع ہو گئیں۔ پھر وہ استغفار کا مضمون شروع ہوا، پھر وہ ستاری کا مضمون شروع ہوا۔ جس نے ان ننگے بدنوں کو ڈھانپ دیا۔ یہ وہ مضمون ہے جو ساری زندگی ہر انسان کے ساتھ چلتا ہے۔ انبیاء کے ساتھ بھی چلتا ہے جو معصوم ہیں کیونکہ انبیاء علیھم السلام کا معیار اپنے نفس کو جانچنے کا بہت زیادہ بلند ہوتا ہے اور بہت زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ اس لیے وہ جس استغفار میں داخل ہوتے ہیں۔ عام بندے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے اور جیسا کہ میں نے پچھلی دفعہ بھی ذکر کیا تھا جہالت میں بعض لوگ ان کو مذاق اور طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں یہ نبی بنے ہوئے ہیں جو خود استغفار کر رہے ہیں، آپ گناہ گار ہیں، دوسروں کو کیا نصیحت کریں گے۔

چنانچہ عیسائی جہلا خصوصاً گزشتہ صدیوں میں آنحضرت ﷺ کے متعلق بڑی کثرت کے ساتھ زبانِ طعن و تشنیع دراز کرتے رہے اور بڑے گہرے چر کے حضور اکرم ﷺ سے محبت کرنے والے کے دلوں کو لگاتے رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی وجہ سے بعض دفعہ ان لوگوں پر سختی کی ہے کیونکہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ آنحضرت ﷺ پر اس طرح بے باکانہ حملے کیے جائیں مگر خود چونکہ گناہ گار دل رکھتے تھے اور خود چونکہ ان پر استغفار کی صبحیں طلوع نہیں ہوئی

تھیں۔اس لیے اس مضمون سے بے خبر اپنی جہالت میں آنحضرت ﷺ پر حملے کرتے رہے۔یہی بد نصیبی آج کے دور کے اُن علماء کی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام سے غافل ہیں کیونکہ خود اپنے وجود سے غافل ہیں۔اپنے نفس سے اُن کو شناسائی نہیں ہے۔اس لیے اُن کے لیے کوئی بھی صبح نہیں۔وہ ایک مسلسل رات میں زندگی گزارنے والے لوگ ہیں اور اسی جہالت کے نتیجے میں وہ خدا کے پاک بندوں پر حملے کرتے ہیں۔اس سلسلے میں میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقتباسات کی روشنی میں آپ کو استغفار کے بعض نئے مضمون سمجھانے کی کوشش کی ہے۔جو اقتباس میں نے شروع کیا تھا۔اُس کے متعلق میں نے گزارش کی تھی کہ میں انشاءاللہ دوبارہ اس مسئلے پر کچھ روشنی ڈالوں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو میں اقتباس پڑھ رہا تھا۔وہ اس عبارت سے شروع ہوا تھا کہ

”کوئی چور یا خونی، چوری یا خون کرتا ہے تو خدا اُس کے دل میں اُسی وقت ڈال دیتا ہے کہ تُو نے یہ کام بُرا کیا اچھا نہیں کیا۔لیکن وہ ایسے القا کی، کچھ پرواہ نہیں رکھتا کیونکہ اُس کا نور قلب نہایت ضعیف ہوتا ہے“۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

”جس سے کوئی بد عملی ہو جائے یا اپنے نفس پر کسی نوع کا ظلم کرے اور پھر پشیمان ہو کر خدا سے معافی چاہے تو وہ خدا کو غفور و رحیم پائے گا۔اس لطیف اور پر حکمت عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے لغزش اور گناہ نفوس ناقصہ کا خاصہ ہے جو ان سے سرزد ہوتا ہے اُس کے مقابل پر خدا کا ازلی اور ابدی خاصہ مغفرت و رحم ہے اور اپنی ذات میں وہ غفور و رحیم ہے۔یعنی اُس کی مغفرت سرسری اور اتفاقی نہیں بلکہ اُس کی ذاتِ قدیم کی صفت قدیم ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے اور جوہر قابل پر اس کا فیضان چاہتا ہے۔یعنی جب کبھی کوئی بشر بروقت صدور لغزش و گناہ بہ ندامت و توبہ خدا کی طرف رجوع کرے تو وہ خدا کے نزدیک اس قابل ہو جاتا ہے کہ رحمت اور مغفرت کے ساتھ خدا اُس کی

طرف رجوع کرے اور یہ رجوع الہٰی بندہ نادم تائب کی طرف ایک یا دو مرتبہ میں محدود نہیں بلکہ یہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں خاصہ دائمی ہے اور جب تک کوئی گناہ گار توبہ کی حالت میں اُس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ خاصہ اُس کا ضرور اُس پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ پس خدا کا قانون قدرت یہ نہیں کہ جو ٹھوکر کھانے والی طبیعتیں ہیں وہ ٹھوکر نہ کھاویں یا جو لوگ قوائے بہیمیہ یا غضبیہ کے مغلوب ہیں اُن کی فطرت بدل جاوے بلکہ اس کا قانون جو قدیم سے بندھا چلا آتا ہے یہی ہے کہ ناقص لوگ جو بمقتضائے اپنے ذاتی نقصان کے گناہ کریں وہ توبہ اور استغفار کر کے بخشیں جائیں''۔

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد اصفحہ:۱۸۶۔۱۸۷ حاشیہ)

یہ مضمون بہت ہی گہرا ہے اور عبارت ایسی ہے کہ جسے اردو کا عام معیار رکھنے والا انسان صحیح طور پہ سمجھ نہیں سکتا۔ پھر اس سے بعض غلط فہمیاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔ اسی لیے میں نے گزشتہ خطبے میں کہا تھا کہ میں دوبارہ اس عبارت کی طرف لوٹوں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو بیان فرما رہے ہیں۔ اُس سے ایک یہ تاثر بھی پیدا ہو سکتا ہے کسی کے ذہن پر کہ آپ کا مطلب یہ ہے کہ گناہ سے مستقل توبہ کروانا منشاء الٰہی نہیں ہے بلکہ چونکہ وہ غفور و رحیم ہے اور بار بار مغفرت سے ظہور فرماتا ہے۔ اس لیے یہ گویا کہ مقدر ہے کہ ہر انسان بار بار گناہ کرتا چلا جائے اور خدا بار بار بخشتا چلا جائے۔ یہ ہرگز یہاں مراد نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک خاص مزاج اور طبیعت کے لوگوں کا ذکر فرما رہے ہیں جو ناقص مزاج رکھتے ہیں جو انسانیت کے نسبتاً ادنیٰ مقام پر ہوتے ہیں اور اُن کے ساتھ خدا کے معاملے کا ذکر فرما رہے ہیں۔ ہر انسان مختلف حالتوں میں پایا جاتا ہے اور ہر انسان ایک حالت میں نہیں رہتا۔ اسی طرح مختلف معاشرے ہیں جو رفتہ رفتہ کثیف حالت سے لطیف حالت کی طرف ترقی کر رہے ہوتے ہیں۔ کچھ انسان جن کا پس منظر کثیف معاشرے کا پس منظر ہو وہ طبعاً بہت ٹھوس بن جاتے ہیں۔ ان کے اندر لطافتیں کم ہوتی ہیں اور سختی زیادہ پائی جاتی ہے اور مزاج میں بہیمیت بعض دفعہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اُن کی پرورش بچپن میں ایسی ہوتی ہے کہ بعض مغلوب الغضب ہو جاتے ہیں۔ بعض بہیمانہ مزاج رکھتے ہیں اور ظلم اور تعدی کی طرف ان کا میلان رہتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ یہ میلان اگر بہت گہرا طبیعت میں پایا جائے تو ایسے شخص کو ہم بہیمیت سے مغلوب یا غضب سے مغلوب کہہ سکتے ہیں۔استغفار اُن لوگوں کے لئے ہر ہر صبح ایک نئی خوشخبری لاتا ہے کہ جو جو غلطیاں ان سے اپنی مغلوبیت کی حالت میں سرزد ہوتی چلی جاتی ہیں۔اگر وہ مستقل استغفار کرتے رہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے گناہ بخشتا رہتا ہے۔چنانچہ ایسے لوگوں کو مایوس نہیں ہونا چاہئے اور مسلسل جدو جہد کرتے رہنا چاہئے۔استغفار بہر حال اس نیت سے ہوگا کہ میں گناہ سے نجات پاؤں اس نیت سے نہیں ہوگا کہ چونکہ خدا غفور رحیم ہے اس لیے میں بار بار گناہ کروں۔یہ تو ایک شاعر کا مضمون تو کہلا سکتا ہے۔ایک عارف باللہ کا مضمون نہیں کہلا سکتا۔ غالب تو کہہ سکتا ہے کہ

رات پی زمزم پہ مے اور صبح دم
دھوئے دھبے جامہ احرام کے (دیوان غالب صفحہ:۲۸۱)

لیکن ایک عارف باللہ یہ مضمون بیان نہیں کرسکتا۔حضرت مسیح موعودؑ یہی فرما رہے ہیں کہ تم بے شک گناہ کرتے رہو اور گناہ کے بعد ہر صبح استغفار کرلیا کرو۔گویا کہ صبح کے استغفار سے یہ مراد ہے کہ ساری رات گناہ میں کٹے اور ساری صبح استغفار ہوتا رہے۔یہ ہرگز مضمون نہیں ہے کیونکہ صبح سے پہلے یعنی استغفار کی صبح سے پہلے جو مضمون خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے قرآن کریم میں وہ تو یہ ہے کہ وہ راتوں کو بہت تھوڑا سوتے ہیں، بہت تھوڑا آرام کرتے ہیں۔گناہ کے لیے تو مراد نہیں ہے کہ گناہ کی خاطر جاگے رہتے ہیں اسی لیے وہ صبح استغفار کرتے ہیں۔مراد یہ ہے کہ نیکیوں میں رات بسر کرتے ہیں یا نیکیوں میں رات بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر بھی صبح کو استغفار کرتے ہیں۔اس لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مضمون کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ نے جن باتوں پر زور دیا ہے اُن کو خاص طور پر اپنی نگاہ کے سامنے رکھیں۔فرمایا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو مغلوب ہیں بہیمیت کی وجہ سے اور اپنی فطری کمزوریوں کی وجہ سے غضب کے تابع ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ آپ دیکھ لیں جو صاحب غضب لوگ ہیں میں نے بھی دیکھا ہے کہ بڑے بڑے نیک ہونے کے باوجود اُن کی غضبی حالت ان کو کبھی بھی نہیں چھوڑتی۔یہ ایک امر واقعہ ہے ایک ایسا مشاہدہ ہے۔صحابہ میں بھی مختلف مزاج کے، مختلف طبیعتوں کے مالک تھے بعض بڑی جلدی غصّہ میں

آنے والے تھے وہ مسجد میں بھی قابو نہیں پاتے تھے اپنے غصّے پر اور ایک دم بلند آواز سے وہ اپنی ناراضگی کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔ بعض لوگوں کے ہاتھ کھلے ہوتے تھے وہ بچوں کو بھی فوراً چپیڑ ماردی اور دھکا دے دیا اور بعض صحابہ تھے جو بہت ہی نرم دل اور بچوں سے بھی اس طرح مخاطب ہوا کرتے تھے جیسے کسی اپنے بزرگ سے مخاطب ہو رہے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری فطرت کے تمام پہلوؤں پر نظر ہے اور حقیقت شناس نگاہ ہے۔ ایک فرضی اور رومانی باتوں کا تعلق نہیں ہوا کرتا انبیاء سے۔ آپ حقیقت کی بات بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مزاج کے لوگوں کی بحث کر رہے ہیں کہ وہ جس مقام پہ بھی چلے جائیں اُن کی جو بنیادی فطری حالت ہے وہ ان کو نہیں چھوڑتی وہ سختی کے ساتھ اُن کی طبع ثانیہ بن چکی ہوتی ہے۔ فرمایا ایسے لوگوں کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اُن کا کام ہے کہ وہ توجہ کے ساتھ انہماک کے ساتھ اور صبر کے ساتھ استغفار کرتے رہیں۔

پس یہاں اُن کی سچائی کا پیوند صبر کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ تبھی قرآن کریم میں **والصابرین** سے مضمون کو یہاں شروع کیا ہے کہ صبر کا بھی استغفار سے ایک گہرا تعلق ہے۔ وہ لوگ جن کی برائیاں دور نہیں ہوسکتیں اُن کا صبر یہ ہے کہ وہ استغفار پر صبر کریں اور بار بار اپنے نفس کو پہچانے اس کا تجزیہ کریں اور بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ اے خدا ہمارے بس میں یہ بات نہیں ہے تو اگر خاص فضل فرمائے تو ہماری بخشش بھی ہوسکتی ہے اور اگر تو اپنا اعجازی نشان دکھائے تو پھر یہ گہری کمزوریاں دور ہو سکتی ہیں فرماتے ہیں:۔

> ’’پس خدا کا قانون قدرت یہ نہیں جو ٹھوکر کھانے والی طبیعتیں ہیں وہ ٹھوکر نہ کھاویں۔ یا جو لوگ قویٰ بہیمیہ یا غضبیہ کے مغلوب ہیں اُن کی فطرت بدل جاوے بلکہ اُس کا قانون جو قدیم سے بندھا چلا آتا ہے یہی ہے کہ ناقص لوگ جو بمقتضائے اپنے ذاتی نقصان کے گناہ کریں۔ وہ توبہ اور استغفار کر کے بخشے جائیں‘‘۔ (براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد ۱ صفحہ: ۱۸۷ حاشیہ)

پس یہ مغفرت کے عظیم ہونے اور ہر دوسری صفت پر خدا کی صفتِ غفوریت کے غالب ہونے کا ایک مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا۔ جہاں تک توبہ کا تعلق

ہے آپ فرماتے ہیں۔

''تمہارا یہ کام ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے آئندہ وعدوں کو یاد کر کے ترساں اور لرزاں رہو اور قبل از وقت سنبھل جاؤ، نت نئی توبہ کرو جو توبہ کرتا ہے وہ نیکی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جو توبہ نہیں کرتا وہ گناہ کی طرف جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس بندے سے محبت کرتا ہے جو بہت توبہ کرتا ہے۔ توبہ نہ کرنے والا گناہ کی طرف جھکتا ہے اور گناہ آہستہ آہستہ کفر تک پہنچا دیتا ہے''۔

پس وہ پہلے مضمون کو اس مضمون سے خلط نہیں کرنا چاہئے۔ اسی لیے میں نے یہ اقتباس اُس پہلے اقتباس کے معاً بعد رکھا ہے۔ لکھا ہے کہ

''ایک بار آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے پہلے بہت روئے اور پھر لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا یا عباد اللہ خدا سے ڈرو آفات اور بلیات چونٹیوں کی طرح انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ ان سے بچنے کی کوئی راہ نہیں۔ بجز اس کے کہ سچے دل سے توبہ استغفار میں مصروف ہو جاؤ۔''

(ملفوظات جلد ۵ صفحہ نمبر: ۲۰۷)

قرآن کریم اس مضمون کو یوں بیان فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّۃٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِکُمْ ۚ فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ﴿۳۳﴾

(النجم: ۳۳)

کہ خدا کے وہ جو بندے کبائر گناہ سے اجتناب کرتے ہیں اور فواحش سے بھی۔ لیکن ابھی کمزوری کی حالت میں ہیں یا جن کا نفس ان پر اُس طرح غالب ہے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر فرمایا ہے۔ اور لمم میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں۔ یعنی گناہوں سے اتنا دور نہیں

ہٹ سکتے کہ گناہوں کے ساتھ اُن کا رابطہ ہی نہ ہو بلکہ بار بار گناہ مس کرتے رہتے ہیں اُن کو خواہ وہ پوری طرح گناہوں کو قبول نہ کریں۔فرمایا اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۔ایسے لوگوں کے لیے پیغام ہے کہ خدا بہت ہی وسیع مغفرت والا ہے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا ہے کہ اگر تم اپنی فطری کمزوریوں کی وجہ سے مجبور ہو۔گناہوں سے کلیۃً اجتناب نہیں کر سکتے کہ اُن سے دور ہی بھاگ جاؤ اُن سے مس بھی نہ ہو۔وہ مایوس نہ ہوں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ہے اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وہ نہ صرف یہ کہ تمہاری ذاتی زندگی سے واقف ہے بلکہ تمہاری نوع سے بھی واقف ہے،تمہاری جنس سے واقف ہے اُس وقت سے تم سے واقف ہے جبکہ زمین سے تمہارا نشو ونما شروع ہوا تھا۔جس طرح کہتے ہیں کہ میں فلاں اور اُس کے پوتروں سے بھی واقف ہوں مطلب یہ ہے کہ بچپن میں جس نے کسی کہ پوترے دھوئے ہوں یا دیکھے ہوں اُس کی کمزوریاں اُس کے سامنے کھل جاتی ہیں۔اردو میں محاورہ ہے کہ وہ تو اُس کے پوتروں سے واقف ہے اُس سے وہ کیا بات چھپائے گا۔تو اللہ تعالیٰ بات اُس سے بھی بہت پہلے سے شروع کرتا ہے۔فرماتا ہے تم،تمہارے سے پہلے جتنی مخلوقات آئیں وہ ہم نے ہی پیدا کیں تھیں۔اُن مخلوقات کا آغاز جو ہوا ارب ہا ارب سال پہلے وہ ہم ہی نے ہی کیا تھا۔اس لیے ہر قسم کی نوعی،فطری،اندرونی کمزوریوں سے،رجحانات سے ہم واقف ہیں ۔ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ اور اس کے بعد فرمایا اور ہاں ہم تمہاری ذاتی حیثیت سے بھی اُس وقت سے واقف ہیں جب تم اپنی ماں کے پیٹ میں جنین کے طور پہ زندگی گزار رہے تھے فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۔میرے سامنے اپنے تقویٰ کی باتیں نہ کرو،میرے سامنے یہ اظہار نہ کرو گویا تم اپنی طاقت سے متقی اور پاک بن سکتے ہو۔هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔تو مراد یہ ہے کہ جس خدا کی انسان کی اندرونی باریک در باریک کمزوریوں پر نظر ہے اور اُس کی فطری اور نوعی کمزوریوں پر بھی نظر ہے،اُس کی تاریخی کمزوریوں پر بھی نظر ہے۔اُس خدا کے سامنے تو سیدھا سادہ طریق یہ ہے کہ کامل صدق کے ساتھ اُس کے سامنے انسان بے ہتھیار ہو جائے سب کچھ ڈال دے اُس کی راہ میں اور کہہ دے کہ میں کچھ بھی اپنا نہیں رکھتا تو بہتر جانتا ہے کہ میری کیا کیفیت ہے اور اس حالت میں مجھ پر رحم کی نظر فرما۔حضرت مسیح موعود علیہ

الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔

”پس استغفار کیا چیز ہے یہ اُس آلہ کی مانند ہے جس کی راہ سے طاقت اُترتی ہے۔تمام راز توحید کا اسی اصول سے وابستہ ہے کہ صفت عصمت کو انسان کی ایک مستقل جائیداد قرار نہ دیا جائے۔“

اس لیے یہ خیال کہ انبیاء بھی صفت عصمت ذاتی جائیداد کے طور پر رکھتے ہیں یہ باطل خیال ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ صرف یہ کہ صفت عصمت اُن کو عطا ہوتی ہے بلکہ اس صفت کی حفاظت کے لیے ،اس کے دوام کے لیے، اس کے استقرار کے لیے انبیاء کو مسلسل جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں ،عبادتیں کرنی پڑتی ہیں۔اس لیے انبیاء کا استغفار اپنی مستقبل کی مناسبت سے ہوتا ہے۔وہ جانتے ہیں کہ صفت عصمت اُن کی ذاتی جائیداد نہیں ہے، ذاتی ملکیت نہیں ہے۔پس اُن کو خدا کی عطا کو سنبھالنے ،اُس کی قدر کرنے کے لیے بہت محنت کرنی پڑتی ہے اور اُس سے ادنیٰ درجہ کے جتنے انسان ہیں۔اُن کو جتنی بھی عصمت نصیب ہوتی ہے کسی کو ایک گُناہ سے عصمت نصیب ہوتی ہے کسی کو دوسرے گُناہ سے عصمت نصیب ہوتی ہے۔اُس کو چاہیے کہ اُس کی حفاظت کے لیے بھی وہ اسی طرح کوشش کرے۔یہ وہ مضمون ہے جو اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے جسے ہمیں سمجھنا ضروری ہے۔عصمت کُلی تو انبیاء کا حصّہ ہے اور دیگر انسان جتنے ہیں اُن کو بھی خدا ہی سے عصمت ملتی ہے۔بعض دفعہ پیدائشی عصمت نصیب ہوتی ہے۔بعض دفعہ ماحول میں رفتہ رفتہ آزمائشوں کے ذریعے عصمت عطا ہوتی ہے لیکن جس قسم کی بھی عصمت ہے وہ انبیاء کے علاوہ باقی انسانوں کو جزوی ہے۔چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ بعض گناہوں سے پوری طرح بچنے کی اہلیت تو رکھتے ہیں اور استطاعت رکھتے ہیں اُن کو اُس بارے میں کوئی خوف نہیں ہوتا۔بعض دوسرے گناہوں کے معاملے میں وہ بالکل کمزور ثابت ہوتے ہیں۔اس لیے جب آپ نیکوں کی زندگی کا اپنے گردو پیش میں مطالعہ کریں گے تو آپ حیران ہوں گے یہ دیکھ کر کہ عصمت کُلی کسی کو بھی نصیب نہیں۔کوئی اور نہیں تو اپنی زبان کی سختی کی مار کھا جاتا ہے اور نیکی کے تقاضوں کے خلاف وہ بعض دفعہ اُس کی زبان میں بد کلامی داخل ہو جاتی ہے۔بعض بخشش کے معاملے میں کمی دکھاتے ہیں، بعض اپنے خود پرستی کی کئی قسم کی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔جن کا تعلق خود پرستی سے ہے اور وہ ان کی روزمرہ کی زندگی میں

مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے اور اُن کو پتا نہیں ہوتا۔ تو عصمت کا جو مضمون ہے وہ بھی بہت ہی غور سے سمجھنے کے لائق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بحثیت عارف باللہ جو نکتہ بیان کر دیا جو جان ہے اس مضمون کی وہ یہ ہے کہ عصمت خدا کی طرف سے نصیب ہوتی ہے اور کسی کی ذاتی جائیداد نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ اپنی عصمت کی حفاظت نہیں کریں گے اور خدا سے مزید عصمت نہیں طلب کریں گے۔ تو جن جگہوں پہ آپ کو عصمت نصیب ہے وہ بھی رفتہ رفتہ نقصان کا شکار ہو سکتی ہے۔ جس طرح بعض دفعہ طغیانی میں خشک حصّوں پر بھی پانی چڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح گناہوں میں بھی بعض دفعہ طغیانی کے دن آتے ہیں، طغیانی کے ماحول پیدا ہو جاتے ہیں اور جن لوگوں کو عصمت نصیب نہ ہو اُن کو کوئی کشتی اُس سیل سے نہیں بچا سکتی کیونکہ پھر فطرت کے ہر حصّے پر گناہ کی طغیانی غلبہ پا جاتی ہے۔ پس عصمت کی حفاظت کے لیے استغفار کی ضرورت ہے۔ فرمایا تمام راز توحید کا اسی اصول میں ہے۔ آپ دیکھیں کتنی گہری بات ہے۔ فرمایا توحید کاملہ کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ خدا ہی ہے جو نیک ہے۔ جس طرح حضرت مسیح نے کہا کہ وہی ایک ہے جو نیک ہے اور کوئی نیک نہیں۔ یہ مراد ہے نیکی کی، اُس کے اکیلا نیک ہونے سے یہ مراد ہے کہ کسی اور کی نیکی اس کی ذاتی ملکیت نہیں خدا ہی کی طرف سے نیکی عطا ہوتی ہے اور جو توحید کامل کے مضمون کو سمجھ جاتا ہے وہ اپنی عصمت کی طلب خدا سے کرتا ہے اور عصمت مانگنے کے لیے استغفار کی ضرورت ہے۔ فرمایا:

> ''بلکہ اس کے حصول کے لیے محض خدا کو سرچشمہ سمجھا جائے۔ ذات باری تعالیٰ کو تمثیل کے طور پہ دل سے مشابہت ہے جس میں مصفّٰی خون کا ذخیرہ جمع رہتا ہے اور انسان کامل کا استغفار اُن شرائن اور عروق کی مانند ہے جو دل کے ساتھ پیوستہ ہیں اور خون صافی اُس میں سے کھینچتی ہیں اور تمام اعضاء پر تقسیم کرتی ہیں جو خون کی محتاج ہیں۔'' (ریویو آف ریلیجنز اردو جلد اول صفحہ: ۱۹۵)

ایک اور عصمت کا مضمون حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بیان فرمایا کہ عصمت کو اپنے ہر گناہ کی عصمت کو صاف رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس طرح آپ کو بدن کی صفائی کی ضرورت پڑتی ہے، آپ کو گھر کی صفائی کی ضرورت پڑتی ہے، ہر قسم کی میل اُس پر آتی رہتی ہے اور اُس سے زیادہ گہری بات آپ نے یہ بیان فرمائی کہ تمہارے خون کی بھی صفائی کی ضرورت ہے جس کا عام

لوگوں کو پتا بھی نہیں۔ وہ لوگ جو انسانی جسم کی ماہیئت سے باخبر ہیں اُن کو پتا ہے کہ ہر لحظہ خون گندہ ہوتا رہتا ہے اور ہر لحظہ خون کی صفائی کی ضرورت پڑتی ہے اور دل ہے جو صفا خون کے عمل کو جاری رکھنے کے لیے اور گندے خون کو صفا خون سے الگ کرنے کے لیے ایک مرکزی مقام رکھتا ہے۔ فرمایا اس پہلو سے انسانی دل کو خدا تعالیٰ سے ایک مماثلت ہے۔

پس جب تک خدا کو اپنے دل میں داخل نہیں کرو گے تو روحانی طور پر تمہارے روحانی خون کی صفائی کا انتظام نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اگر تم عصمت چاہتے ہو تو وہ سچی عصمت جو خدا سے ملتی ہے تو اپنے دل کو خدا کا دل بناؤ، خدا کی آماجگاہ بنا لو اور خدا جب دل میں داخل ہوگا تو وہ اُسی طرح کام کرے گا روحانی لحاظ سے جس طرح تمہارا جسمانی دل تمہارے جسمانی خون کی صفائی کا کام کرتا ہے۔ فرمایا

> ’’استغفار اور توبہ کا یہ مطلب نہیں جو آج کل لوگ سمجھ بیٹھے ہیں۔ استغفر اللہ استغفر اللہ کہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا جبکہ اس کے معنی بھی کسی کو معلوم نہیں۔‘‘

اسی لیے میں نے پچھلے خطبے کی تمہید میں یہ بات عرض کی تھی کہ استغفار کے معنی کو سمجھے بغیر اس کے مفہوم پر اطلاع پائے بغیر آپ زبان سے استغفار کہتے ہیں۔ تو ایک نیکی کی طرف میلان کا اظہار تو ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں اُس سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ فرمایا

> ’’**استغفر اللہ** ایک عربی زبان کا لفظ ہے۔ اُن لوگوں کی تو چونکہ یہ مادری زبان تھی اور وہ اس کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھے ہوئے تھے اس لیے تو اُن کے لیے کوئی مشکل اور اُلجھن نہیں تھی۔ استغفار کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ سے اپنے گزشتہ جرائم اور معاصی کی سزا سے حفاظت چاہنا ایک یہ ہے اور آئندہ گناہوں سے سرزد ہونے سے حفاظت مانگنا۔ استغفار انبیاء بھی کرتے تھے اور عوام بھی‘‘۔

پس یہ ایک اور فرق انبیاء اور عوام کی استغفار کا آپ نے بیان فرما دیا اور اُس پہلو کی طرف ہماری توجہ دلا کر یہ مضمون خوب روشن کر دیا کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کیوں کثرت سے استغفار

فرماتے تھے۔عام طور پر جو مفسرین اس بحث میں الجھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب عرض کرتے ہیں۔ خدا کے حضور استغفر اللہ ربی من کل ذنب تو اس کا مطلب کیا یہ بنتا ہے کہ آپ سے گناہ سرزد ہوئے تھے اور چونکہ غیروں نے بڑے شدید حملے اس راہ سے کیے ہیں۔اس لیے اس راہ کو بند کرنے کے لیے وہ ذنب کی تعریف کو نرم کرتے کرتے اتنا نرم کر دیتے ہیں کہ گویا ذنب کا مطلب صرف بشری کمزوریاں ہیں۔ایک پہلو سے یہ بات درست ہے کہ ذنب کا مطلب بشری کمزوریاں بھی ہیں۔اس لیے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جب اس مضمون کو آنحضرت ﷺ پر چسپاں فرمایا تو ان معنوں میں کیا کہ ذنب کی تعریف ہر شخص کے مطابق بدلتی چلی جائے گی۔ایک عام انسان جو گناہ گار ہے جب وہ استغفر اللہ ربی من کل ذنب کہتا ہے تو اس کے ذنب میں بہت سے گناہ کبیرہ بھی داخل ہو جاتے ہیں اور شدید قسم کی لغزشیں بھی داخل ہو جاتی ہیں۔اُس کی لغزشیں بھی شدید ہوتی ہیں۔جو انبیاء کے نکتہ نگاہ سے گناہ کبیرہ شمار کی جا سکتی ہیں۔مگر ذنب جب حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی ذات پر اطلاق پاتا ہے۔یعنی ان معنوں میں کہ آپ خدا سے عرض کر رہے ہیں کہ میں اپنے سب گناہوں سے بخشش چاہتا ہوں تو اُس سے مراد یہ ہے کہ وہ لطیف بشری کمزوریاں جو اتنی لطیف ہیں کہ انسان کی نگاہ اُن کو پکڑ نہیں سکتی۔مگر ایک کامل نبی جب خدا کے حضور کھڑا ہوتا ہے تو خدا کی نگاہ کے سامنے اپنے آپ کو ننگا محسوس کرتا ہے اور اُس وقت اُس روشنی میں اُس کو اپنی بعض کمزوریاں دکھائی دیتی ہیں۔یعنی ذنب کا یہ مطلب آنحضرت ﷺ کے استغفار پر صادق آتا ہے ۔لیکن ایک دوسرا مضمون جو حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام نے یہاں کھولا ہے۔اُس کے بعد اس ذنب کی تعریف کو چھیڑنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی ہے۔آپ فرماتے ہیں:

''دوسرا پہلو یہ ہے کہ آئندہ گناہوں کے سرزد ہونے سے حفاظت مانگنا۔استغفار انبیاء بھی کرتے تھے'' (ملفوظات جلد ۵ صفحہ نمبر: ۵۰۷)

یہ فوراً اس کے ساتھ کہنا یہ بتا رہا ہے کہ جب انبیاء استغفار کرتے تھے تو ان معنوں میں کیا کرتے تھے۔کہ وہ آئندہ ہونے والے گناہوں سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو ڈھانپتے ہیں گناہ کے اثر سے۔جس طرح سردی کے مقابل پر کپڑا اوڑھا جاتا ہے یا گرمی کے مقابل پر کپڑا اوڑھا جاتا ہے یا گندگی کے مقابل پر اپنے جسم کو بچانے کے لیے کپڑا اوڑھا جاتا ہے۔پس استغفار اُس کپڑے کی

طرح کام کرتا ہے کیونکہ استغفار کا مطلب ہے اپنے آپ کو ڈھانپنا ۔ دفاع کرتا ہے آئندہ گناہوں سے تو استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ جب حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں ۔ یا دیگر انبیاء تو مراد یہ ہے کہ آئندہ ہر قسم کے گناہوں سے ہم بخشش طلب کرتے ہیں ۔ پس سابقہ کے متعلق تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ذنب ان معنوں میں ہے کہ وہ لطیف بشری کمزوریاں جو انسان کے مقام کے لحاظ سے الگ الگ تعریف پیدا کرتی چلی جاتی ہے الگ الگ تعریف میں داخل ہوتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم جب یہ فرماتا ہے رسول اکرم ﷺ کے متعلق لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح:۳) تو اُس کا یہ معنی نہیں ہے کہ تو آئندہ گناہ کرتا چلا جائے نعوذ باللہ من ذالک اور خدا تعالیٰ تجھے معاف فرماتا چلا جائے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جس طرح ماضی میں خدا نے تیری گناہوں سے حفاظت فرمائی اسی طرح مستقبل میں بھی خدا تیری حفاظت فرماتا چلا جائے گا یا ماضی کی نسبت سے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح ماضی میں بہت ہی لطیف بشری کمزوریاں تجھ سے ظاہر ہوئیں جن سے خدا نے درگزر فرمائی آئندہ بھی اگر کبھی کوئی لطیف بشری کمزوریاں تجھ سے ظاہر ہوئیں تو خدا تعالیٰ تجھ سے بخشش کا سلوک فرمائے گا۔

ایک اور بہت ہی لطیف معنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذنب کا ایسا بیان فرمایا ہے جس کا آج کل کی سائنسی دریافتوں سے تعلق ہے۔ ایک موقع پر سیرت مہدی جلد سوئم صفحہ:۱۵ پر ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تقریر میں فرمایا، میرے علم میں وہ تقریر نہیں کہ وہ کہاں طبع ہوئی ہے لیکن سیرۃ مہدی میں حوالہ ہے تو وہ ضرور ملفوظات میں یا کہیں اُس کا ذکر ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ

> ''یہ جو استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ پڑھنے کا کثرت سے ذکر آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انسانی کمزوریوں اور غلطیوں کی وجہ سے انسان کو گویا ایک ذُنب یعنی دُم لگ جاتی ہے جو کہ حیوانی عضو ہے اور یہ انسان کے لیے بدنما اور اُس کی خوبصورتی کے لیے ناموزوں ہے۔ اس واسطے حکم ہے کہ انسان بار بار یہ دعا مانگے اور استغفار کرے تا کہ اُس حیوانی دم سے بچ کر اپنی انسانی خوبصورتی کو قائم رکھ سکے اور ایک مکرم انسان بنا رہے۔''
>
> (سیرۃ المہدی جلد اول حصہ سوم، روایت نمبر ۸۴۷ صفحہ:۵۰۸)

جو لوگ ارتقاء کے مضمون سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ارتقاء کے نظریہ کی تائید میں سائنسدانوں نے ایک بڑا اہم ثبوت یہ پیش کیا کہ انسان جب رحم مادر میں مختلف شکلیں بدلتا ہے تو اُس کی ابتدائی سب شکلیں جب تک وہ انسانی شکل کے مقام تک نہیں پہنچ جاتا حیوانی شکلوں سے مشابہ ہوتی ہیں اور یہاں تک وہ مشابہت ہوتی ہے کہ ایک موقع پر با قاعدہ جس طرح بندر کی دم نکلی ہوتی ہے بچے کی دم بھی آپ کو دکھائی دے سکتی ہے اگر آپ اُس وقت ماں کا پیٹ چیر کے دیکھیں۔ یا آج کل جو آلے نکل آئیں ہیں ان کی رو سے اگر آپ ایکسریز لیں یعنی High Resolution کے ایکسرے میں دیکھیں گے تو آپ کو پتا لگ جائے گا کہ ایک وقت میں بچے کی شکل جانور سے اس طرح مشابہ ہے کے باقاعدہ اُس کی دم نکلی ہوئی ہے اور پھر جب وہ ترقی کرتا ہے تو وہ دم غائب ہو جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ عرفان عطا فرمایا کہ ذنب کے اُن معنوں کی طرف توجہ ہوئی جو ظاہری معنے ہیں یعنی دم۔ ذنب کا ایک ظاہری معنی دم ہے۔ تو آپ نے ان معنوں پر غور کر کے اس عظیم نقطہ کو پالیا ہے۔ فرمایا کہ ذنب سے مراد یہ ہے کہ انسان جب بھی حیوانی صفات کی طرف لوٹتا ہے تو وہ مکرم نہیں رہتا وہ کمزوریاں جو خدا نے جھاڑ دی تھیں اس سے یا اس لائق بنا دیا تھا کہ وہ ان حیوانی کمزوریوں سے نکل کر ایک کامل اور خوبصورت انسان کے طور پر ظاہر ہو وہ کمزوریاں اُس کے اندر اُس دم کی طرح ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اس لیے لفظ ذنب ایک داغ کے معنوں میں استعمال فرمایا ہے۔ تو ان معنوں میں جب خدا تعالیٰ کے عارف باللہ اور مقدس لوگ استغفار کرتے ہیں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ اے خدا! ہمیں ہر قسم کی ایسی بشری کمزوریوں سے الگ رکھنا جن کے نتیجے میں تیرے حضور ہمیں کچھ بدزیب ہو کہ تو جب اپنی آنکھ سے ہمیں دیکھے تو اُس دم کے آثار کو پالے جو دم ماضی میں ہم چھوڑ آئیں ہیں۔ یعنی ایسا ہونا چاہئے کہ ہم ان دموں کو ماضی میں چھوڑ آئے ہیں اور اب ہمارے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہ ہو لیکن جب ہم ذنب کرتے ہیں تو دوبارہ اُن دُموں کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، دوبارہ وہ دُمیں اگنی شروع ہو جاتی ہیں۔ تبھی جو انسان بدنصیبی میں، گناہوں میں بڑھ جاتے ہیں اُن کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ (البقرہ:٦٦) اگر تم نے اصرار کرنا ہے ان گناہوں پر پھر تو تمہاری دُمیں اُگ آئی ہیں اب اور اُس کے نتیجے میں یہ طبعی سزا تمہارے لیے ہے کہ قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ کی ادنیٰ حالت کی طرف لوٹ جاؤ اسفل السافلین میں بھی یہی مضمون ہے

قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ میں بھی یہ مضمون ہے اور شر من تحت ادیم السماء (مشکوۃ کتاب العلم والفضل صفحہ: ۳۸) میں بھی یہی مضمون ہے۔ کہ پھر یہاں ٹھہرتے نہیں ہیں وہ لوگ بلکہ بد سے بدتر ہوتے چلے جاتے ہیں اور ساری حیوانی کمزوریاں جن کو وہ اپنے طویل ماضی کے سفر میں پیچھے چھوڑ آئے تھے وہ دوبارہ اختیار کرنا شروع کر دیتے ہیں اور روحانی لحاظ سے حیوان صفت ہوتے چلے جاتے ہیں۔

یہ مضمون بہت ہی لمبا ہے میں نے جیسا کے کہا تھا کہ میں انشاء اللہ چند نمونے آپ کے سامنے رکھوں گا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی عبارتوں کی مدد سے آپ کو یہ مضمون سمجھاؤں گا۔اب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ استغفار کا مضمون اتنا وسیع ہے کہ روحانی لحاظ سے ہی صرف فوائد کا موجب نہیں بلکہ انسانی زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے اور کثرت استغفار سے آپ کو ہر قسم کے منافع حاصل ہو سکتے ہیں۔اس لیے اپنی دعاؤں میں استغفار کو غیر معمولی طور پر پیش نظر رکھا کریں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق منشی ظفر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ”آپ نے فرمایا کہ استغفار پڑھنے سے گناہ کی تحریک مٹ جاتی ہے اور نیکی کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔“اس لیے بجائے اس کے کہ اُس مقام پر راضی رہیں کہ گناہ بار بار ہو اور بار بار مغفرت کے طالب رہیں یہ مقام محفوظ یا مقامِ عصمت حاصل کرنے کی کوشش کریں اور یہ استغفار کے ذریعے نصیب ہوسکتا ہے کہ گناہ کی تحریک مٹنی شروع ہو جائے اور نیکی کی طرف رغبت ایک فطری جوش کے طور پر پیدا ہونی شروع ہو۔ پھر فرمایا ۱۹۰۶ء کی بات ہے یہ روایت بھی سیرت المہدی میں ہے کہ ۱۹۰۶ء کی بات ہے کہ ایک سائل نے جو اپنے آپ کو نوشہرہ ضلع پشاور کا بتاتا تھا اور مہمان خانہ قادیان میں مقیم تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خط لکھا کے میری مدد کی جائے مجھ پر قرضہ ہے۔آپ نے جواب لکھا کہ”قرض کے واسطے ہم دعا کریں گے اور آپ بہت استغفار کریں اور اس وقت ہمارے پاس ایک روپیہ ہے جو ارسال ہے۔“(سیرۃ المہدی جلد اول روایت نمبر ۸۰۷ صفحہ: ۷۳۵)

ایک روپیہ جو کچھ بھی تھا آپ کے پاس وہ آپ نے دے دیا۔جانتے تھے کہ اُس روپے سے تو اُس کے قرضے نہیں اُتر سکتے فرمایا یہ میرا سرمایہ سارا یہی تو نہیں میرے پاس،میرے پاس تو خدا کے حضور التجاؤں کا سرمایہ ہے۔ چنانچہ اُس سرمائے سے میں تمہاری مدد کروں گا لیکن تم اپنی مدد استغفار کے ذریعے کرو۔

اس سے دو باتیں سامنے آتی ہیں اوّل یہ کہ استغفار کے ذریعے قرضوں کے بوجھ اُتر سکتے ہیں اور استغفار کے ذریعے جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اُن کی معافی ہوسکتی ہے۔ یہ قرضوں کے ساتھ ان معنوں میں تعلق ہے۔استغفار ایک معنوں میں گناہ کے بعد ہوتا ہے پس قرضے کی مثال ایسی ہی ہے پھر جیسے گناہ سرزد ہو چکا ہو۔آپ روپیہ لے بیٹھے اُس کو غلط مصرف میں استعمال کر بیٹھے۔ایسی تجارت میں ڈال دیا جہاں سے اُس کے واپس آنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔چٹی پڑ گئی کسی لحاظ سے بھی آپ قرضوں میں مبتلا ہو گئے یہ سابقہ کے گناہ کی طرح ہے۔اگر سابقہ کی غلطیاں بخشی جا ہی نہیں سکتیں تو پھر ایسے شخص کے لیے کوئی اُمید نہیں ۔مگر وہ خدا جو گناہ بخشتا ہے اُس میں طاقت ہے اور وہ آپ کی ذاتی مادی کمزوریوں میں اور روزمرہ کے لیں دین کی کمزوریوں میں بھی اُسی طرح بخشش کی طاقت رکھتا ہے۔ایک بہت ہی عظیم الشان مضمون ہے جس سے خدا کی بخشش کا مضمون ثابت ہوتا ہے۔عیسائی جو یہ کہتے ہیں کہ خدا فی ذاتہٖ بخشش کی گویا طاقت نہیں رکھتا اُس کا بطلان ہے اس مثال کے ذریعے۔آپ قرضوں میں مبتلا ہیں جو غلطیاں کہیں پیچھے سرزد ہوگئیں جن تک اب آپ کی رسائی نہیں رہی۔ جو کچھ ہو چکا، ہو چکا آپ کی اپنی بے وقوفی تھی، کسی دوست نے دھوکا دے دیا۔ وہ ایسے حالات ہیں جو ماضی کا حصّہ بن گئے آپ اُن کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ سوائے استغفار کے کوئی رستہ نہیں ہے۔اس لیے استغفار کے ذریعے جب آپ خدا سے رحم کے اور بخشش کے طالب ہوں گے اور خدا تعالیٰ اس دنیا میں آپ کو ان مالی مشکلات سے نجات بخشے گا تو قطعی طور پر آپ اس بات پر زندہ ثبوت بن جائیں گے کہ اسلامی تعلیم سچی ہے اور عیسائیت نے خدا پر بدظنی کی تھی۔

پس ان معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس مدد کے طالب کو کہا کہ خدا سے مدد طلب کرو اور خدا سے مدد استغفار کے ذریعہ طلب کرو۔ دوسرا استغفار میں یہ مضمون ہے کہ اُن امور پر غور ضروری ہے جن کے نتیجے میں آپ نے ٹھوکریں کھائیں اور آپ کو معلوم بھی ہونا چاہئے کہ کیا غلطیاں ہوئیں تھیں۔ یہ تو مناسب طریق نہیں ہے کہ بار بار آپ روپیہ ہاتھ میں پکڑیں اور پھینک دیں۔ جیسے کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے اور پھر اپنے دوستوں سے مدد مانگتے رہیں ہر وقت یا خدا سے مدد کے طالب رہیں۔ یہ عادت استغفار کے رجحان کے منافی ہے۔ استغفار کی سچائی کے منافی ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ آپ کے وہ دوست اور تعلق والے جو بار بار روپیہ ضائع کرتے ہیں

پھر آپ کے پاس پہنچتے ہیں شروع میں اُن کے لیے دل کے گوشے نرم ہو جاتے ہیں، شروع میں آپ کے دل میں رحم پیدا ہوتا ہے۔ آخر آپ اُن کی صورتوں سے بیزار ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں آیا یہ مصیبت لے کر۔ اب پھر روپیہ کہیں ضائع کر بیٹھا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگ پہلے اپنی جائیدادیں تباہ کرتے ہیں۔ پھر اُس کے بعد قرضے لے لے کر دوسروں کی جائیدادیں بھی تباہ کرنے لگ جاتے ہیں۔ ان لوگوں سے یہ دور بھاگتے ہیں۔ تو استغفار کے مضمون بتا کر یہ بھی سمجھا دیا ہے کہ تم اپنی غلطیوں کی طرف بھی متوجہ ہو اور معلوم کرو کہ وہ کونسی کمزوریاں ہیں جن کے نتیجے میں تم نے مصیبت کے یہ دن دیکھے۔ تیسرا اس میں یہ نصیحت بھی فرما دی کہ انسان کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی عادت اچھی نہیں ہے۔ سائل کو ڈانٹنا تو جائز نہیں ہے، آپ نے ڈانٹا نہیں لیکن سختی سے ورے، ورے رہتے ہوئے نرمی کے ساتھ جو بات سمجھائی جا سکتی تھی وہ سب سمجھا دی اور ایک استغفار کہہ کر یہ تینوں مضمون اُس پر کھول دئے گویا کہ کھولنے کی کوشش فرمائی کہ دیکھو تم انسان کے سامنے جو ہاتھ پھیلاتے ہو کہاں تک انسان تمہاری حاجت روائی کرے گا۔ میرے پاس آئے تھے میرے پاس بھی ایک روپیہ ہی نکلا ہے۔ میں اس سے زیادہ تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں اور ایسے اور بھی ہوں گے جن کے پاس ایک روپیہ ہوگا مگر وہ ایک روپیہ بھی نہیں دیں گے اور اُن کے لیے جائز ہوگا۔ ایسے بھی ہوں گے جن کے پاس لاکھوں ہوں گے تب بھی اُس میں سے بھی ایک روپیہ نہیں دیں گے۔ تو انسانوں کی طرف متوجہ نہ ہو خدا سے بخشش کے طالب رہو استغفار کرو اور یقین رکھو کہ استغفار کے نتیجے میں جیسے روحانی گناہ دھلتے ہیں اُس طرح عام دنیاوی لغزشیں بھی دھوئی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فضل اُن پر غالب آجاتا ہے اور اللہ مغفرت کا سلوک فرماتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تربیت یافتہ صحابہ استغفار کو کثرت سے مختلف رنگ میں استعمال فرماتے تھے۔ چنانچہ اس میں ایک ایسی مثال میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں جو دلچسپی کی وجہ سے میں نے چنی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر طالب علم اب یہی کام شروع کر دے جس کی میں اب بات کرنے لگا ہوں۔ مگر یہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کے توکل کا کیا مقام تھا اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب وہ باتیں سنتے تھے تو کتنے کامل یقین کے ساتھ اُن پر پھر وہ عمل شروع کیا کرتے تھے اور ان کے لیے کوئی بھی Limit

نہیں تھی کوئی بھی حد بندی پھر نہیں رہتی تھی۔کوئی نسخہ ملا ہے تو ہر جگہ وہ اس کو استعمال کرنے کی کوشش کریں گے۔

چنانچہ ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب مہر سنگھ ہمارے ڈاکٹر نذیر احمد صاحب مرحوم کے والد بڑے دعا گو اور صاحب کشف والہام تھے اور اس قسم کے چٹکلے ان کی ذات کا حصہ تھے۔عموماً اس قسم کی روایتیں انہی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ان کا ایک اپنا خاص مزاج تھا اور اللہ تعالیٰ کا بھی اُن سے اسی مزاج کے مطابق سلوک تھا۔چنانچہ ایک دفعہ تعلیم السلام ہائی سکول میں ماسٹر صاحب کے سپرد ایک ایسی جماعت ہوئی جو انگریزی میں بہت کمزور تھی اور ماسٹر عبدالرحمٰن مہر سنگھ صاحب کو ناز تھا کہ ان کی انگریزی بہت اچھی تھی۔اس لیے اُن کو اب یہ خطرہ کہ میں استاد بن گیا اس کلاس کا جو سابقہ غلطیاں کر بیٹھے ہیں ان کا تو ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے اور بدنامی میری ہوگی۔چنانچہ اس کا علاج آپ نے یہ سوچا کہ استغفار کی طرف مائل ہوئے اور کثرت کے ساتھ استغفار شروع کر دی۔اب خدا تعالیٰ کا سلوک دیکھیں کہ استغفار کے نتیجے میں آپ کو خواب میں بتلایا گیا کہ ۲۶ ویں اور ۳۰ ویں سبق میں سے امتحان ہوگا۔اب سابقہ غلطیاں اُس طرح تو دھلنی مشکل تھیں۔اللہ تعالیٰ کی شان کریمی دیکھیں کہ ایک بندہ مجھ سے اتنی توقع رکھتا ہے۔دوسروں کے گناہوں کی خاطر آپ معافیاں مانگ رہا ہے۔غلطی کلاس نے کی ہے اور ان کا بُرا حال ہے استغفار کر کے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا پھر یہ علاج ہے کہ چھبیسویں اور تیسویں سبق میں سے امتحان ہوگا۔چنانچہ ماسٹر صاحب نے طلبا کو کہا کہ وقت نہیں باقی پڑھنے کا تم یہ دو سبق پڑھو اور بالکل باقی باتیں بھول جاؤ اور وقت ہی نہیں رہا۔چنانچہ انہوں نے خوب رٹے، چھبیسواں اور تیسواں سبق خوب رٹا اور انسپکٹر صاحب جب تشریف لائے تو انہوں نے انہی دو سبقوں میں سے سوال کیے اور کسی سبق سے نہیں کیا۔اور بہت ہی اچھے ریمارکس دیئے کہ ایسی اعلیٰ کلاس میں نے کبھی نہیں دیکھی۔تو یہ بھی ایک لطیفہ ہے اور اس سے آپ کو یہ بھی اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی حد کوئی نہیں ہے۔بعض دفعہ آپ بچوں کی طرح اُس سے ناز کریں تو اللہ بھی ناز برداریاں فرماتا ہے اور اسی قسم کا آپ سے پیار اور محبت کا سلوک فرماتا ہے۔اس لیے بہت زیادہ ٹینس Tense ہو کر اور بہت ہی زیادہ سنجیدگی سے استغفار کی بھی ضرورت نہیں نرمی بھی دل میں پیدا کریں۔خدا سے کھیل کھیلیں، خدا سے پیار کی باتیں کریں اور اس کی راہ میں بچھ جایا کریں کہ ہمارے

پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔جس طرح ہمیں مانگنا آئے گا ہم تجھ سے مانگتے رہیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ طریق تھا کہ جب کوئی وظیفہ کے متعلق پوچھتا تھا کہ وظیفہ بتائیں تو آپ سب سے پہلے استغفار کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔فرماتے تھے استغفار کیا کریں سورہ فاتحہ پڑھا کریں۔درود شریف پر مداومت اختیار کریں۔اسی طرح لاحول اور سبحان اللہ پر مداومت کریں اور فرماتے تھے کہ بس ہمارے تو یہی وظائف ہیں۔پھر روایت آتی ہے کہ جب کوئی پوچھتا تھا کہ کوئی وظیفہ بتائیے تو آپ فرماتے مثلاً ایک صاحبنے سوال کیا کہ یا حضرت ہم کونسا وظیفہ پڑھا کریں تو حضور فرماتے الحمدللہ اور درود شریف اور استغفار اور دعا پر مداومت اختیار کرو اور دعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کثرت سے پڑھا کرو۔(ملفوظات جلد اول صفحہ نمبر:۴۰۲)

بہر حال یہ استغفار کا مضمون اور یہ نئی نئی صبحیں طلوع ہونے کا مضمون انسان کی زندگی میں ہمیشہ اس کے ساتھ آگے بڑھتا رہتا ہے اور بعضوں کی زندگی میں جن کی ترقی معکوس ہوتی ہے وہ واپس کی طرف ان کے قدم لوٹنے شروع ہوتے ہیں اور وہ دن بدن روشنی سے اندھیروں میں داخل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔اس لیے توبہ کو ہمیشہ مداومت کے ساتھ پکڑے رہنا ایک باشعور انسان کے لئے ضروری ہے۔توبہ کے متعلق قرآن کریم میں مختلف مضامین بیان فرمائے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ ایسی توبہ کرتے ہیں کہ ان گناہوں کے طرف جن سے متعلق وہ توبہ کر چکے ہوتے ہیں پھر مڑ کر نہیں دیکھتے۔خدا پر فرض ہے کہ ان کی توبہ قبول کرے۔

پس یہ وہ سابقون ہیں توبہ میں جن کے متعلق خدا نے یہ حتمی وعدہ دے دیا ہے کہ مجھ پر فرض ہو گیا ہے کہ میں تمہاری توبہ کو قبول کروں اور تمہیں کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر فرمایا ایسے لوگ بھی ہیں جو عمل صالح کو بُرے اعمال کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔آج توبہ کی کل ٹوٹ گئی پھر توبہ کی استغفار کیا پھر لغزش ہوگئی۔ایسے لوگوں کے ساتھ قطعی مغفرت کا وعدہ تو نہیں لیکن خدا تعالیٰ جو واسع المغفرۃ ہے اور وہ چاہے تو اُن کے ساتھ مغفرت کا سلوک فرمائے۔پس ایسے لوگوں کو جدوجہد کرتے رہنا چاہئے توبہ پر مداومت اختیار اور استغفار کے ذریعے خدا سے بخشش طلب کرنے اور اس مضمون میں وہ صابر ہو جائیں کرنے کی۔اس مضمون میں وہ صبر اختیار کریں اور پکڑے رہیں اور پھر خدا سے خیر کی امید رکھیں۔

پھر ایک تیسرے قسم کے بدنصیب وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیت میں فرمایا:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّاتِ ۚ حَتَّى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۹﴾ (النساء:۱۹)

کہ توبہ اُن کے لیے نہیں ہے تو ان کی توبہ کیا معنی رکھتی ہے جو مسلسل بدیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ موت اُن کو آلیتی ہے اس وقت وہ کہتے ہیں اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ اے خدا اب میں توبہ کرتا ہوں وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اور نہ اُن کے لیے کوئی توبہ ہے جو کامل غفلت کی حالت میں زندگی اس طرح گزار دیتے ہیں کہ موت آتی ہے تو وہ انکار کی حالت میں ہوتے ہیں، کفر کی حالت میں اُن پر موت آجاتی ہے۔ پہلے مضمون میں خدا کے وہ کمزور بندے ہیں جو ایمان لانے کے باوجود کمزور رہتے ہیں اور توبہ سے غافل رہتے ہیں۔ دوسرے حصے میں وہ لوگ بیان ہوئے ہیں جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں۔ فرمایا ان کے لیے کوئی توبہ نہیں ہے اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب مقرر کر رکھا ہے۔ یعنی اس کی وجہ کیا ہے کہ اُن کے لیے توبہ کوئی نہیں۔ اس کی وجوہات بھی قرآن کریم نے بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا ایک تو یہ کہ پہلی دفعہ انہوں نے موت کو نہیں دیکھا۔ بار بار خدا نے مختلف زندگی کی حالتوں میں ان کو موت کے قرب کے نمونے چکھائے اور بار بار اُن کی توجہ توبہ کی طرف کروائی گئی اور توبہ کا موقع پانے کے باوجود پھر یہ شدت کے ساتھ اپنی پہلی حالتوں کی طرف لوٹ جاتے رہے۔ چنانچہ فرمایا

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ (التوبہ:۱۲۶) کہ وہ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ان میں سے ہر شخص ایک دفعہ یا دو دفعہ ایسے ابتلاؤں میں ڈالا جاتا ہے کہ جس کے نتیجے میں ان کی طبیعت توبہ کی طرف مائل ہو جانی چاہئے ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ اس کے باوجود توبہ نہیں کرتے وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ اور کوئی نصیحت نہیں پکڑتے۔ پھر فرمایا جب ان کی حالت دائمی ہو جاتی ہے اور گناہ اُن کی زندگی کا جزو لاینفک بن جاتا ہے۔ اس وقت اُن پر موت آتی ہے اس لیے پھر خدا تعالیٰ اُن کی توبہ قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ اپنے

گناہ میں ایک دائمی حالت اختیار کر چکے ہوتے ہیں۔ بار بار کے مواقع کے باوجود توبہ کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے ۔چنانچہ فرمایا وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۞ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۞ (الانعام ۲۸-۲۹) کہ کیا تو نہیں جانتا ایسے لوگوں کو کیا تو نہیں دیکھتا ایسے لوگوں کو، مطلب یہ ہے کہ ہم تجھے خبر دے رہے ہیں کہ ایسے لوگ، ان لوگوں پہ ایک ایسی حالت آئے گی وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ وُقِفُوْا یعنی مخاطب کا صیغہ ہے مگر مراد یہ نہیں کہ اُس وقت رسول کریم ﷺ یا مومن دیکھ رہا ہوگا مراد یہ ہے کہ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ خدا تمہیں پہلے ہی آگاہ نہیں فرما چکا ان لوگوں کی ایسی حالت سے جو ان پر آنے والی ہے اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ کہ جب یہ آگ کے سامنے پیش کیے جائیں گے فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا۔کاش ایسا ہو کہ ہمیں لوٹا دیا جائے اور ہم پھر ہرگز خدا تعالیٰ کی آیات کا اپنے رب کی آیات کا انکار نہیں کریں گے۔وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور یقیناً مومنین میں سے ہوں گے۔فرمایا: بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ اس سے پہلے اپنی جو حالتیں وہ چھپائے ہوئے تھے۔وہ اب اُن کے لیے ظاہر کر دی گئی ہیں۔مراد یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مومن ہی شمار کر رہے ہوتے تھے، اپنے آپ کو ایمان والوں میں گنا کرتے تھے۔آج پردے اُٹھنے کا وقت آیا ہے۔

پس دو قسم کے پردے ہیں ایک استغفار کا پردہ ہے جو خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور وہ ستاری کی چادر میں لپیٹتا ہے ایک خواب غفلت کا پردہ ہے جو انسان اپنے اردگرد لپیٹ لیتا ہے اور خود اپنے حال سے پھر بے خبر ہو جاتا ہے۔فرمایا آج وہ پردے اُٹھنے کا دن آیا ہے، آج تمہاری اصلی حالت تمہیں دکھائی گئی ہے اور معافی کا سوال اس لیے نہیں وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ خدا جانتا ہے کہ اگر ان کو آج بھی لوٹا دیا جائے تو بالکل وہی باتیں پھر دوبارہ کریں گے جو پہلے کرتے آئے ہیں۔اتنے پکے ہو چکے ہیں اپنی کج روی میں کہ اس راہ کو اب وہ چھوڑ نہیں سکتے وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ جھوٹ بول رہیں ہیں۔

پس اس لیے وہ جو آخری صبح ہے وہ بھی طلوع ہوتی ہے اور کچھ لوگ اُس وقت بھی استغفار

کرتے ہیں۔یعنی وہ صبح جو موت کی صبح ہے جب ایک نئی زندگی طلوع کرنے والی ہوتی ہے انسان پر۔ اُس وقت بھی انسان کی توجہ استغفار کی طرف مائل ہوتی ہے بلکہ اُس وقت تو بڑے سے بڑے گناہ گار کی توجہ بھی استغفار کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔فرعون ایک بہت ہی بڑا گناہ گار تھا جو گناہ گاری میں ایک مثال بن گیا ہے ہمیشہ کے لیے اور گناہ گاری بھی ایسی جس میں بغاوت اور ضد اور تعصب، ظلم اور جبر اور سب باتیں پائی جاتی تھیں۔آنکھیں کھول کر خدا سے ٹکر لینے والا یہ دعوے کرنے والا کہ ہوتا کون ہے خدا میں بھی ایک اونچی عمارت بنا کر دیکھوں گا تو سہی کہ وہ کہاں ہے اور کس قسم کی چیز ہے۔ایسی باتیں کرنے والا جب موت کو اپنے سامنے دیکھتا ہے تو اُس وقت کہتا ہے کہ میں اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ (یونس:۹۲) میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں یا جن پر بنی اسرائیل ایمان لے آئے اس کی ذات پر ایمان لاتا ہوں۔اس کا جواب ہے آٰلْـٰٔنَ اب کون سا وقت ہے۔

پس بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ کا ایک مضمون یہ بھی ہے کہ پھر وہ لوگ جو ساری زندگی ایسی صبحوں سے ناواقف بسر کرتے ہیں جن میں استغفار کی طرف توجہ پیدا ہوا کرتی ہے وہ بھی اس مضمون سے باہر نہیں رہتے۔چنانچہ ایک صبح اُن پر ایسی طلوع ہوتی ہے جو ان کی موت کی صبح ہے اور اُن کو ایک نئے جہان میں داخل کرنے والی صبح ہے۔اُس وقت بڑے سے بڑے گناہ گار بھی استغفار پر مجبور ہو جایا کرتا ہے لیکن چونکہ پہلی صفات سے وہ عاری ہیں۔اس لیے اُس وقت ان کو استغفار کا کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

پس استغفار میں ہمیں یہ بھی دعا کرنی چاہیے کہ اے اللہ ہمیں اُس صبح سے پہلے استغفار کی صبحیں نصیب کر جن صبحوں میں استغفار کے معنے ہیں، جن صبحوں میں استغفار قبول ہوا کرتے ہیں اور ہمارے وجود سے متعلق نئی سے نئی شناسائی عطا فرماتا۔اپنی کمزوریوں پر خود ہماری نگاہیں زیادہ باریک بینی کے ساتھ پڑنی شروع ہوں جو کمزوریاں غیروں کو نظر نہیں آتی وہ ہمیں دکھائی دینے لگیں۔ یہاں تک کے ہر روز ہم نئے داغوں کو دور کرنے کے لیے تیرے حضور آنسو بہائیں نئی کمزوریوں کو دور کرنے کے لیے تجھ سے مدد مانگیں اور تجھ سے طاقت طلب کریں۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے یہ رمضان ہمارے لیے استغفار کی نئی صبحیں لے کر آئے اور دائمی صبحیں ہمارے لیے چھوڑ جائے۔آمین۔